OPEN ACCESS
Hazara Islamicus
ISSN (Online): 2410-8065
ISSN (Print): 2305-3283
www.hazaraislamicus.com

Hazara Islamicus, Vol.:12, Issue: 02,July -Dec 2023
PP: 19-34

عقد اجارہ پر غرر سے پڑنے والے اثرات اور اُن کا شرعی حکم: تحقیقی مطالعہ

The Effects of Gharar on Lease Contracts and Their Legal Rulings: A Research Study

Muhammad Arif
Teaching Assistant, Department of Islamic & Religious Studies, Hazara University, Mansehra

Muhammad Sabir
Teaching Assistant, Department of Islamic & Religious Studies, Hazara University, Mansehra

Muhammad Saeed Awan
Ph.D Scholar, Department of Islamic & Religious Studies, Hazara University, Mansehra

Abstract

This research study investigates the impact of gharar, or uncertainty, on lease agreements and the corresponding legal judgments within Islamic law. Gharar can significantly affect lease contracts, causing disputes, hindering enforcement, and potentially rendering them invalid. The study explores the concept of gharar, its various forms, and its consequences for lease contracts. Islamic legal rulings on gharar will be examined, considering different schools of Islamic thought. Recommendations for avoiding gharar in lease agreements will be provided. The research methodology involves a literature review on gharar and lease contracts, analysis of relevant legal rulings, and consultations with Islamic law experts. The expected outcomes include a comprehensive understanding of gharar's effects on lease contracts, identification of knowledge gaps in Islamic law, and practical recommendations for mitigating gharar in such agreements. The study is anticipated to be completed.

Key Words: *Gharar,Islamic law, lease contracts,Uncertainty, Legal Rulings,Hanafi,Maliki,Shafi,Hambali*

تعارف:

عقدِ اجارہ اور غرر بلاشبہ ایک ایسا موضوع ہے جو مالی معاملات کی بہت زیادہ صورتوں کو محیط ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ

CC BY

مالی معاملات کے اندر بنیادی طور پر دو چیزوں سے بچنے کی ضرورت ہوتی ہے، ایک "سود" اور دوسرا "غرر" سے۔ اللہ کا شکر اور فضل ہے کہ عام طور پر مسلمانوں کے ذہنوں میں سود کی حقیقت موجود ہوتی ہے اور اس سے بچنے کا جذبہ بھی، لیکن "غرر" سے عمومی طور پر ناواقفیت پائی جاتی ہے اور معاملات کے اندر بھی اس سے بچنے کا اہتمام نہیں ہوتا۔ اس کی تحقیق کی جائے تو وہ اجارہ غرر کے پائے جانے کی وجہ سے ناجائز ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی چیز خریدنے کے بعد اس پر قبضہ کرنے سے پہلے اسے آگے بیچنا (بیع قبل القبض) شرعاً ناجائز ہے، لیکن ہماری مارکیٹیں اس طرح کے معاملات سے بھری ہوئی ہیں ان میں اکثر و بیشتر اس طرح کے معاملات ہوتے ہیں جن میں غرر پایا جاتا ہے۔ اسی طرح اور بھی ایسے سینکڑوں معاملات ہمارے بازاروں اور مارکیٹوں میں رائج ہیں جن کے اندر "غرر" کسی نہ کسی صورت میں موجود ہوتا ہے، اس لیے اس بات کی ضرورت تھی کہ اس موضوع پر باقاعدہ تحقیق کی جائے تاکہ مسلمان "غرر" کی حقیقت سے واقف ہونے کے بعد اپنے معاملات کو شریعت کے سانچے میں ڈھال سکیں۔

اجارہ کی لغوی تعریف:

"اجارہ" فقہ اسلامی کی ایک مشہور اصطلاح ہے۔ اس کے لغوی معنی ہیں "عمل کے بدلے میں کسی کو کچھ عوض دینا" موسوعہ جمال عبدالناصر میں ہے:

الاجارة۔۔۔اسم للأجرة(۱)

ترجمہ: اجارہ اجرت کا نام ہے۔

علامہ شربینیؒ فرماتے ہیں:

"ابتدا میں اجارہ لفظ صرف اجرت کے لیے بولا جاتا تھا لیکن بعد میں اجارہ کے عقد کے لیے مشہور ہو گیا۔" (۲)

اصطلاحی تعریف:

اجارہ کا مفہوم آئمۂ اربعہ کے ہاں تقریباً ایک جیسا ہے۔ وہ یہ ہے کہ کسی چیز کی متعین اور جائز منفعت کو متعین اجرت کے بدلے حاصل کرنے کا نام اجارہ ہے۔ اس بنیادی مفہوم کو بیان کرنے کے لیے مختلف فقہائے کرام نے مختلف تعبیرات اختیار فرمائی ہیں۔ حنفیہؒ میں سے علامہ نسفیؒ نے یوں تعریف کی ہے:

"الإجارة هی بیع منفعة معلومة بأجر معلوم"۔(۳)

ترجمہ: متعین و معلوم اجرت کے بدلے میں متعین نفع کی بیع اجارہ کہلاتی ہے۔

مالکیہ میں سے علامہ دردیرؒ نے اجارہ کی تعریف یوں کی ہے:

"عقد معاوضة علی تملیک منفعه بعوض۔"(۴)

ترجمہ: اجارہ ایک ایسا عقد معاوضہ ہے جو کسی عوض کے بدلے کسی چیز کی منفعت کی تملیک پر ہوتا ہے۔

شوافع میں سے علامہ شربینیؒ اجارہ کی تعریف یوں کرتے ہیں:

"عقد علی منفعة مقصودة معلومة قابلةللبذل والإباحة بعوض معلوم۔"(۵)

ترجمہ: اجارہ ایک ایسا عقد ہے جو کسی مقصود، معلوم، قابل صرف اور جائز منفعت پر متعین کے عوض کے بدلے واقع ہوتا ہے۔

حنابلہ میں سے علامہ بہوتیؒ اجارہ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"عقد علی منفعه مباحة معلومة تؤخذ شيئًا فشيئًا معلومة من عين معلومة أوموصوفة فی ذمة

او عمل معلوم بعوض معلوم۔"(٦)

ترجمہ: اجارہ ایسا عقد ہے جو جائز اور متعین منفعت پر واقع ہو اور یہ منفعت مدت میں تھوڑی تھوڑی وصول کی جاتی ہو کسی متعین چیز سے یا موصوف فی الذمۃ یعنی معہود فی الذہن چیز سے یا متعین عمل سے۔

درج بالا تمام تعریفات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اجارہ کے اندر "منفعت" اور "عوض" کا معلوم ہونا ضروری ہے، ان کے معلوم اور متعین ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ اگر اجارے پر دی گئی چیز کی منفعت نہ ہو یا اس کے بدلے میں دی جانے والی اجرت مجہول ہو تو اس سے فریقین کے درمیان جھگڑا کھڑا ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔ اس لیے جس اجارہ میں منفعت یا اجرت مجہول ہو، اُسے فقہائے کرام نے اجارہ فاسد قرار دیا ہے۔

لیکن فقہائے کرام نے مذکورہ شرطوں کے علاوہ "مدت کے معلوم و متعین" ہونے کی قید بھی ذکر فرمائی ہے جیسے حنفیہّ میں سے علامہ زیلعیؒ (۷) اور مالکیہ میں سے علامہ دسوقیؒ (۸) کی ذکر کردہ تعریف میں "مدت معلومہ" کا ذکر موجود ہے۔

ہماری رائے میں "مدت معلومہ" کی قید ذکر کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ یہ قید لگانے کا ایک نقصان یہ ہوگا کہ "اجارۃ العمل" کی بہت سی صورتیں اجارہ کی اس تعریف سے خارج ہو جائیں گی، جیسے کوئی شخص نانبائی سے کہے کہ ایک من آٹے کی روٹیاں پکا کر دو، اس کی اجرت سو روپے ہوگی تو یہ عقد بالاتفاق جائز ہے حالانکہ اس میں "مدت" کا ذکر نہیں اور عام طور پر اس جیسے معاملات میں مدت بیان بھی نہیں کی جاتی۔

بلکہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ "منفعتِ معلومہ" کے ذیل میں "مدتِ معلومہ" کی قید کا فائدہ حاصل ہو جاتا ہے وہ اس طرح کہ "منفعت معلومہ" کی یوں تاویل کی جائے کہ نفع کا معلوم ہونا عام ہے خواہ عمل کے ذریعے سے معلوم ہو جیسے کسی نانبائی سے کہا جائے کہ ایک من آٹے کی روٹی پکا کر دو۔ اس کے بدلے تمہیں سو روپے اجرت دی جائے گی یا مدت کے ذریعے معلوم ہو جیسے کسی محنت کش (مزدور) سے کہا جائے کہ اس مکان کی تعمیر میں صبح سے شام تک کام کرو، اس کے بدلے تمہیں سو روپے مزدوری دی جائے گی۔ یہ دونوں صورتیں جائز ہیں۔ ان میں سے پہلی صورت کے اندر "عمل" کے ذریعے منفعت کی تعیین ہوئی ہے جب کہ دوسری صورت میں "مدت" کی تعیین سے منفعت کی تعیین عمل میں آئی ہے۔ لہٰذا اگر تعریف میں صرف "منفعت معلومہ" کی قید لگا دی جائے تو بھی مطلوبہ فائدہ ہو جائے گا۔ الگ سے مدت معلومہ کی قید لگانے کی ضرورت نہیں رہے گی اور ہماری ذکر کردہ تعریفات میں وہ قید موجود ہے۔ البتہ بعض فقہاء نے منفعت کے ساتھ "معلومہ" کی قید ذکر نہیں فرمائی (۹)۔ ہمارے خیال میں وہ تعریفات راجح نہیں۔

البتہ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ فقہائے کرام نے یہ تصریح کی ہے کہ مدت کے متعین نہ ہونے سے بھی اجارہ فاسد ہو جاتا ہے جیسے علامہ حصکفیؒ لکھتے ہیں:

"تفسد الاجارة بشروط الفاسدة كجهالة مأجور أو أجرة أو مدة أو عمل۔"(۱۰)

ترجمہ: اور شرائط فاسدہ سے اجارہ فاسد ہو جاتا ہے جیسے اجرت پر لی گئی چیز یا کرایہ یا مدت یا عمل کا مجہول ہونا۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ "اجارہ فاسدہ" کو تعریف سے خارج کرنے کے لیے جس طرح "اجرت" اور "منفعت" کے متعین ہونے کا ذکر کرنا ضروری ہے، اسی طرح مدت کے متعین ہونے کا ذکر کرنا بھی ضروری ہونا چاہیے۔

اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اجارہ کی جن صورتوں میں مدت کا ذکر کرنا ضروری ہے، اگر ان میں مدت ذکر نہ کی جائے تو اجارہ فاسد ہو جائے گا، اس لیے کہ ان صورتوں میں منفعت متعین نہیں رہے گی کیوں کہ ایسی صورتوں

میں منفعت کی تعیین کا مدار مدت کی تعین پر تھا۔اس جواب کی تائید علامہ ابنِ قدامہؒ کی اس عبارت سے ہوتی ہے:

"الاجارة اذا وقعت على مدة يجب أن تكون معلومة ِكشهر و سنة ولا خلاف فى هذا لعلمه۔"(۱۱)

ترجمہ: اگر اجارہ مدت پر واقع ہو تو مدت کا متعین ہونا ضروری ہے جیسے ایک مہینہ یا ایک سال اور اس حکم میں ہمارے علم کے مطابق کوئی اختلاف نہیں۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض صورتوں میں مدت کا ذکر ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں مدت کا ذکر نہیں کیا جاتا۔البتہ جن صورتوں میں مدت کا ذکر نہ کرنے سے منفعت مجہول ہو جاتی ہے، وہاں اس کا متعین طور پر مذکور ہونا ضروری ہے اور اس کی تائید علامہ حصکفیؒ کی مذکورہ عبارت سے بھی ہوتی ہے کہ انھوں نے عدم جواز کے اسباب کی مدت اور عمل دونوں کی جہالت ذکر فرمائی ہے۔جس سے اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ بعض صورتوں میں منفعت کی جہالت مدت کی جہالت کی وجہ سے ہوتی ہے جب کہ بعض صورتوں میں عمل کی جہالت سے منفعت مجہول ہو جاتی ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ اجارے کے ہر معاملے میں مدت کا ذکر کرنا ضروری نہیں بلکہ بعض صورتوں میں ضروری ہے اور جن صورتوں میں ضروری ہے، اگر وہاں مدت بیان نہ کی جائے تو اجارہ فاسد ہو جائے گا۔

غرر کی لغوی تعریف

"غرر" عربی زبان کا لفظ ہے،اس کے لغوی معنی ہیں دھوکہ دینا، غلط امید دلانا۔

لسان العرب میں ہے:

"غرر: غره، يغره، غرًا وغرورًا، وغِره۔ الاخيرة عن اللحيانى فهو مغرور و غريرٌ، خدعه و أطعمه بالباطل۔ قال: أن أمراً غره منكن واحدة، بعدى وبعدك فى الدنيا لمغرور۔"(۱۲)

القاموس المحیط میں ہے:

"غرًا، وغرورًا وغِرة بالكسر فهو مغرور وغرير كا مبير خدعه وأطعمه بالباطل۔"(۱۳)

الموسوعۃ الفقہیۃ (الکویت) میں ہے:

"غره غرًا، وغِرا، وغرة فهو مغرور وغرير خدعه و أطعمه الباطل۔"(۱۴)

عربی کا ایک مشہور محاورہ ہے:

أنا غرر منك

یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی کسی سے دھوکہ کھا جائے، مصباح اللغات (۱۵) اور القاموس الجدید (۱۶) میں بھی یہی معنی ذکر کیا گیا ہے۔

قاضی عیاضؒ کہتے ہیں کہ غرر ایسی چیز کو کہتے ہیں کہ جس کا ظاہر پسندیدہ ہو جب کہ اس کا باطن مکروہ اور ناپسندیدہ ہو۔(۱۷) اس معنی کا حاصل یہ ہے کہ غرر دوسرے کو دھوکہ دینے کا نام ہے کیوں کہ جو چیز ظاہرًا خوب صورت ہو گی تو خریدار اسے خوشی سے خریدے گا لیکن حقیقت میں اندرونی نقص اور عیب پر مشتمل ہو گی جس سے اسے دھوکہ ہو گا۔ چنانچہ علامہ ابن اثیرؒ نے اس کی وضاحت کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

"الغرر ماله ظاهر توثره وباطن تكرهه فظاهره يغر المشترى وباطنه مجهول۔"(۱۸)

ترجمہ: غرر یہ ہے کہ کسی چیز کا ظاہر تو متاثر کرے اور اس کا باطن ناپسندیدہ ہو پس اس کے ظاہر سے خریدار کو

دھوکا ہو کیوں کہ اس کا باطن اسے معلوم نہیں۔

قرآن کریم میں بھی عام طور پر غرر کا لفظ "دھوکہ" کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔ جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

" يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۔"(۱۹)

ترجمہ: اے انسان! تجھے اپنے رب کریم کے معاملے میں کس چیز نے دھوکے میں ڈالا۔

اس کے علاوہ غرر "خطر" کے معنی میں بھی آتا ہے، خطر کا مطلب ہے کسی انسان کا اپنے آپ کو یا اپنے مال کو خطرے میں ڈالنا، المنجد میں ہے:

" الغرر التعريض للهلاک۔"(۲۰)

ترجمہ: اپنے آپ کو خطرے میں ڈالنے کا نام غرر ہے۔

درج بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ غرر لغوی اعتبار سے تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے:

۱۔ دھوکہ دینا: اور انگلش میں یہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں: Beguile, Deceive, Cheat, Delude

۲۔ غلط امید دلانا: Lure, Entice, Tempt

۳۔ خطر: Uncertainty, Danger, Peril, Jeopardy, Hazard

اصطلاحی تعریف

فقہی اصطلاح میں "غرر" ایسے معاملے کو کہتے ہیں جس کا انجام غیر معلوم ہو۔ اسے انگریزی کے لفظ (Uncertainty) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مختلف فقہائے کرام نے اسی مفہوم کو مختلف انداز میں بیان فرمایا ہے۔ ذیل میں مختلف فقہاء کے حوالے سے غرر کی تعریفات ذکر کی جاتی ہیں۔ علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

"الغرر مايكون مستور العاقبة۔"(۲۱)

ترجمہ: غرر ایسے معاملے کو کہتے ہیں جس کا انجام پوشیدہ ہو۔

علامہ ابن الھمامؒ ہیں:

"الغرر ما طوى عنک علمهٗ۔"(۲۲)

ترجمہ: غرر وہ معاملہ ہے جس کے انجام کا علم تجھ سے لپیٹ لیا گیا ہو (یعنی پوشیدہ ہو)۔۔

علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

"الغرر هو الخطر الذى استوى فيه طرف الوجود والعدم بمنزلة الشک۔"(۲۳)

ترجمہ: غرر خطر پر مبنی ایسے معاملے کو کہتے ہیں جس میں وجود اور عدم دونوں جہتیں برابر ہوں، یعنی (بیع کے ہونے یا نہ ہونے میں) شک سا ہو۔

علامہ دسوقیؒ فرماتے ہیں:

"الغرر التردد بين أمرين أحدهما على الغرض والثانى على خلافه۔"(۲۴)

ترجمہ: غرر دو چیزوں کے درمیان تردد کا نام ہے، ایک چیز غرض کا حاصل ہونا اور دوسری اس کے برعکس۔

علامہ قرافی مالکیؒ فرماتے ہیں:

"اصل الغرر هو الذى لا يدرى هل يحصل أم لا كالطير فى الهواء والسمک فى الماء۔"(۲۵)

ترجمہ: غرر کی حقیقت یہ ہے کہ یہ وہ معاملہ ہے جس میں معلوم نہ ہو کہ بیع حاصل ہو گی یا نہیں جیسے ہوا میں موجود پرندہ اور پانی میں موجود مچھلی۔

امام مالکؒ نے المؤطا میں اسی بات کو دوسرے انداز میں بیان فرمایا ہے، آپؒ لکھتے ہیں:

"من المخاطرة و الغرر اشتراء مافی بطون الاناث من النساء والدواب لانّه لا یدری أیخرج ام لا یخرج، فان خرج فلا یدری أیکون حسنًا أو قبیحًا، تامً أو ناقصًا، ذکرًا ام أنثی وذالک کلهٗ یتفاضل۔"(۲۶)

ترجمہ: مخاطرہ اور غرر میں عورتوں اور مؤنث جانوروں کے حمل کی بیع بھی شامل ہے۔ کیوں کہ یہ معلوم نہیں کہ بچہ پیدا ہوگا یا نہیں، اگر پیدا ہوا تو یہ معلوم نہیں کہ وہ خوب صورت ہوگا یا بد صورت، اور تام الخلق ہوگا یا ناقص الخلق، مذکر ہوگا یا مؤنث ان تمام چیزوں سے ان کی قیمت میں فرق آتا ہے۔

مذکورہ بالا تمام تعریفوں کا حاصل یہی ہے کہ غرر ایک ایسے معاملے کو کہتے ہیں جس کا انجام غیر یقینی ہو۔ البتہ اس مفہوم کو علامہ ابن بطالؒ نے سب سے آسان اور عمدہ انداز میں بیان فرمایا ہے، کیوں کہ غیر یقینی کیفیت کا مفہوم ان الفاظ سے جلدی سمجھ میں آجاتا ہے۔ تاہم علامہ سرخسیؒ کی بیان کردہ تعریف سب سے زیادہ جامع ہے۔ انگریزی میں اس مفہوم (Uncertainty) کا لفظ استعمال ہوا ہے (۲۷)۔

اجارہ میں غرر کا اثر اور شرعی حکم فقہ مقارن کی روشنی میں

آئمہ ربع اور جمہور فقہائے کرام کے نزدیک "اجارہ" ایک جائز اور مشروع عقد ہے جب کہ حسن بصریؒ عبدالرحمٰن بن الاصمؒ، ابن علیہؒ، علامہ قاشانیؒ، علامہ نہروانیؒ اور علامہ بن کیسانؒ کی رائے یہ ہے کہ اجارہ کا عقد جائز نہیں، ان کا کہنا یہ ہے کہ چوں کہ اس میں اُس منفعت پر عقد ہوتا ہے جو فی الحال معدوم ہے، اس لیے اس میں غرر کا پہلا پہلو موجود ہے۔ ابن قدامہؒ لکھتے ہیں:

"واجمع اهل العلم فی کل عصر وکل مصر علی جواز الإجارة لا ما یحکی عن عبدلارحمٰن ان الأصم أنه قال: لا یجوزذالک لأنه غرریعنی أنه یعقد علی منافع تخلق۔"(۲۸)

ترجمہ: ہر دور اور ہر شہر کے اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ اجارہ کا عقد جائز ہے البتہ عبدلارحمٰن بن الاصم سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا ہے کہ یہ عقد ناجائز ہے کیوں کہ اس میں غرر ہے۔

اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ یہ ایسے منافع پر عقد ہوتا ہے جو ابھی پیدا نہیں ہوئے۔

علامہ احمد المرتضی لکھتے ہیں:

"والأصل فیها من الکتاب۔۔۔والسنة۔۔۔ولاجماع الا عن بصری و ابن الأصم و ابن علیه والقاشانی والنهروانی و ابن کیسان فمنعوا من صحبتها أذا هی بیع معدوم۔"(۲۹)

ترجمہ: اجارے کا جواز کتاب اللہ ۔۔۔ سنت رسول اللہ ﷺ اور اجماع سے ثابت ہے۔ البتہ حسن بصریؒ، عبدلرحمٰن بن الاصم، ابن علیہ، نہروانی اور ابن کیسانؒ نے اس کے صحیح ہونے سے انکار کیا ہے کیوں کہ یہ معدوم کی بیع ہے۔

لیکن جمہور فقہائے کرام نے اس نظریے کی مختلف انداز میں تردید کی ہے۔ علامہ ابن قدامہؒ کا کہنا ہے کہ اجارے کا جواز حاجت شدیدہ کی وجہ سے شرعی نصوص سے ثابت ہے اور جہاں تک اس میں پائے جانے والے "غرر" کا تعلق ہے تو وہ قابلِ اعتبار نہیں کیوں کہ اس کے اندر منافع پر عقد ہوتا ہے اور منافع کے وجود میں آنے کے بعد ان پر عقد کرنا ممکن نہیں کیوں کہ منافع پیدا ہونے کے فوراً بعد ختم ہو جاتے ہیں لہٰذا اس کے اندر منافع وجود میں آنے سے پہلے ان پر عقد کرنا ضروری ہے۔ جیسا کہ

بیع سلم میں اشیاء کے وجود میں آنے سے قبل ان کا عقد کیا جاتا ہے، چناچہ ابن قدامہؒ فرماتے ہیں:

"وهذا غلط، لا يمنع انعقا الإجماع الذى سبق فى الأعصاروأسارفى الامصاروالعبرة۔۔۔وما ذكره من الغرر، لا يلتفت إليه مع ما ذكرنا من الحاجة، فان العقد على المنافع لا يمكن بعد وجودها، لأنها تتلف بمضىٰ الساعات، فلا بدّ من العقد عليها قبل وجودها السلم فى الأعيان۔"(۳۰)

علامہ احمد المرتضی اس طرح جواب دیتے ہیں:

"اذا المنافع فى الحاجة كالأعينا ولا عبرة خلاف هؤلاء لصحة الأجماع قبلهم ولا قياس مع النص۔"(۳۱)

ترجمہ: حاجت کے وقت منافع کا حکم بھی اعیان (اشیاء) جیسا ہوتا ہے اور ان اختلاف کرنے والوں کی مخالفت کا اعتبار نہیں کیوں کہ پہلے لوگوں کا اجماع معتبر ہے اور نص کے ہوتے ہوئے قیاس کا اعتبار نہیں۔

علامہ ابن رشد الحفید جواب کے لیے دوسرا طرز اختیار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"انها وإن كانت معدومة فهى حال العقد فى مستوقاة الغالب والشرع انما لحظ من هذه المنافع ما يستوفى فى الغالب اويكون استيفاٰءه وعدم استيفاءه على السواء۔"(۳۲)

ترجمہ: اگرچہ اجارہ کے اندر عقد کے وقت منافع معدوم ہوتے ہیں لیکن ان کا وصول ہونا غالب ہے اور شریعت نے ان کے منافع کا لحاظ کیا ہے جو غالب الوصول ہوں یا ان کا وصول ہونا اور نہ ہونا دونوں برابر ہوں۔

مذکورہ بالا تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ اجارہ کے اندر غرر کا پہلو موجود نہیں اور منافع کے معدوم ہونے کو بیع المعدوم پر قیاس کر کے "غرر" کا قول اختیار کرنا درست نہیں۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ اعیان (اشیاء) تو ایسی چیزیں ہیں کہ بیع کے وقت وہ پائی جاسکتی ہیں لیکن پھر بھی اگر موجود نہ ہوں بلکہ معدوم ہوں تو اس معاملے پر عدم جواز کا حکم لگانا قیاس کا تقاضا ہے جب کہ اجارہ میں منافع کا وجود تو عقد کے وقت ممکن ہی نہیں اس لیے عقد کے وقت ان کے وجود کو ضروری قرار دینا اور ان کے نہ ہونے پر "معدوم اشیاء" کی بیع کا حکم ان پر جاری کرنا قرین قیاس معلوم نہیں ہوتا۔

اجارہ میں غرر کا اثر

اجارے میں غرر کے مؤثر ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں ہم دو اعتبار سے بحث کریں گے:

۱) صیغۂ عقد مین غرر کا اثر ۲) محل عقد میں غرر کا اثر

۱۔ صیغۂ عقد میں غرر کا اثر

اجارہ کے صیغۂ عقد میں غرر کی تاثیر اور بیع کے صیغۂ عقد میں غرر کی تاثیر کے درمیان فرق یہ ہے کہ بیع کی تو تعلیق بھی جائز نہیں اور مستقبل کی طرف اس کی اضافت کرنا بھی جائز نہیں، جب کہ اجارہ کی اگرچہ تعلیق (یعنی دوسرے فعل کے ساتھ معلق کرنا) تو جائز نہیں تاہم مستقبل کی طرف اس کی اضافت ہو سکتی ہے (۳۳)۔ اور متعاقدین میں سے کوئی فریق دوسرے سے یہ کہہ سکتا ہے کہ فلاں مہینے سے ہمارے اجارے کا عقد بیع میں ایسا نہیں ہو سکتا، کیوں کہ بیع کے اندر بیک وقت بیع کی ملکیت منتقل ہو جاتی ہے جب کہ اجارہ کے اندر مستأجرہ چیز کے منافع وقتاً فوقتاً منتقل ہوتے ہیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ بیع کی مذکورہ دونوں صورتوں میں غرر پایا جاتا ہے۔ جب کہ اجارہ کی ایک صورت میں غرر موجود ہے اور دوسری صورت میں غرر کا عنصر شامل نہیں اس لیے وہ جائز ہے۔' بیع اور اجارہ دونوں کی تعلیق قبول نہ کرنے

کے بارے میں علامہ قرافیؒ لکھتے ہیں:

"القسم الثالث وھوالذی یقبل الشرط دون التعلیق فکا لبیع والاجارۃ ولا یصح التعلیق علیه بأن یقول إن قدم زیدفقد بعتک أو أجرتک یسبب إن انتقال الأملاک یعتمد الرضی والرضی انما یکون بالجزم ولا جزم مع التعلیق۔"(۳۴)

ترجمہ: تیسری قسم ان معاملات کی ہے جو شرط کو قبول کرتے ہیں۔ تعلیق کو قبول نہیں کرتے جیسے بیع اور اجارہ۔ لہٰذا ان کی تعلیق صحیح نہیں کہ مثلاً کوئی شخص یوں کہے کہ اگر زید آیا تو میں نے یہ چیز تمہارے ہاتھ فروخت کی یا تجھے اجارے پر دی، اور ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ملکیت کا انتقال ہونا رضا پر موقوف ہے اور رضا جزم کی صورت میں پائی جاتی ہے جب کہ جزم (تعیین) اور تعلیق کے درمیان تعارض ہے۔

اور "اجارہ" کی اضافت الی المستقبل کے جواز کا ذکر کرتے ہوئے علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں:

"(ویعلم النفع ببیان المدۃ کالسکنی والزرعۃ مدۃ کذا) أیّ مدۃ کانت وان طالت ولو مضافۃ کأجر تکھا غدًا۔"(۳۵)

ترجمہ: اور مدت کے بیان کرنے سے بھی منفعت معلوم ہو جاتی ہے جیسے اتنی مدت کے لیے رہائش یا اتنی مدت کے لیے زراعت پر دینا، خواہ یہ مدت کوئی بھی ہو اور کتنی ہی لمبی ہو اور اگرچہ وہ مستقبل کی طرف مضاف ہو جیسے کوئی شخص کہے کہ میں نے یہ چیز آئندہ کل سے تمہیں اجارہ پر دے دی۔

علامہ ابنِ قدامہؒ فرماتے ہیں:

"ولا تشترط فی الإجارۃ أن تلی العقد، بل لو آجرہ سنۃ خمس و ھما فی سنۃ ثلاث او شھرا رجب فی المحرم، صح وبھٰذا قال ابوحنیفۃ۔"(۳۶)

ترجمہ: اجارہ کے اندر یہ ضروری نہیں کہ اس کی مدت عقد کے ساتھ ہی شروع ہوتی ہو بلکہ اگر کسی شخص نے پانچویں سال سے اجارہ شروع ہونے کا عقد کیا حالانکہ وہ ابھی تیسرے سال میں ہیں یا محرم کے مہینے میں رجب سے اجارہ شروع ہونے کا عقد کیا تو شوافعؒ کے نزدیک یہ عقد صحیح ہے اور یہی امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔

البتہ شوافع نے اجارہ کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ اجارۃ علی العین (کسی چیز کو اجارہ پر دینا)۔

۲۔ اجارۃ واردۃ علی الذمۃ (کسی شخص کا کسی متعین عمل کو اپنے ذمہ لینا)۔

ان کے نزدیک اجارہ واردہ فی الزمہ میں تو مستقبل کی طرف اضافت کرنا درست ہے، اجارہ علی العین میں درست نہیں۔

چنانچہ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:

"ویجوزنا تأجیل المنفعۃ فی اجارۃ الزمۃ کألزمت زمتک الحمل الی مکۃ اول شھر کذا ولا یجوزا اجارۃ عین لمنفعۃ مستقبلۃ۔"(۳۷)

ترجمہ: اجارہ فی الذمۃ میں منفعت کو مؤخر کرنا جائز ہے جیسے کوئی شخص یوں کہے کہ تمہارے سامان اٹھانے کا ذمہ میں اپنے اوپر لیتا ہوں کہ فلاں مہینے کے شروع میں اُسے مکہ لے جاؤں گا، لیکن اجارہ علی العین کی اضافت مستقبل کی طرف کرنا جائز نہیں۔

اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ "ذمہ "ایک قسم کا "دَین" (قرض) ہے اور دَین تاجیل کو قبول کرتا ہے جب کہ عین کے اندر ایسا کرنا درست نہیں۔ (۳۸)

علامہ ابن حزمؒ کی رائے

علامہ ابنِ حزمؒ کی رائے یہ ہے کہ اجارہ کی کسی بھی قسم کی مستقبل کی طرف اضافت جائز نہیں بلکہ یہ ضروری ہے کہ جونہی عقد مکمل ہو، فوراً مستأجر کو اس چیز کے استعمال کرنے کا حق مل جائے، اس میں تاخیر نہ ہو۔

چنانچہ ابنِ حزمؒ لکھتے ہیں:

"لا یجوز اشتراط تأخیر الشئ المستأجر ولاتأخیر العمل المستأجر له طرفة عین فما فوق ذالک لأنه شرط لیس فی کتاب اللہ فهو باطل۔"(۳۹)

ترجمہ: اجرت پر دی گئی چیز اور اجرت کے بدلے حاصل کیے گئے عمل میں سے کسی کے اندر بھی پلک جھپکنے یا اس سے زیادہ مدت تک تاخیر کرنا جائز نہیں یہ ایسی شرط ہے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب (یعنی قرآن کریم) میں نہیں، اس لیے یہ باطل ہے۔

ان کا کہنا ہے کہ تاخیر کی شرط لگانے سے اس میں غرر کی خرابی لازم آتی ہے ۔، خواہ یہ شرط کتنے ہی مختصر وقفے کے لیے لگائی گئی ہو، البتہ اگر شرط لگائے بغیر تاخیر ہو جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بیع کے اندر بیک وقت مبیع کی ملکیت منتقل ہو جاتی ہے جب کہ اجارہ کے اندر مستاجرہ چیز کے منافع کا وجود تو عقد کے وقت ممکن ہی نہیں بلکہ وقتاً فوقتاً پیدا ہوتا ہے۔ گویا عام حالات میں بھی عقد کے وقت منافع موجود نہیں ہوتا۔ اس لیے مستقبل کی طرف اس کی اضافت کرنا حقیقتِ اجارہ کے منافی نہیں۔ نیز عصرِ حاضر میں بڑے پیمانے پر ہونے والے اجارے کے عقود کے اندر ایسا کرنے کی ضرورت بھی محسوس ہوتی ہے اس لیے ہماری رائے میں جمہور کا قول راجح اور زیادہ قابلِ عمل ہے۔

۲۔ محل عقد میں غرر کا اثر

محل عقد میں غرر کی تاثیر کے اعتبار سے بیع اور اجارہ میں کوئی فرق نہیں لہٰذا بیع کے اندر غرر کے ازالہ کے لیے جو شرائط لگائی گئی تھیں، یہاں بھی غرر کے محل عقد میں ان شرائط کا پایا جانا ضروری ہوگا۔ چنانچہ اس سلسلے میں ہم چند موضوعات پر بات کریں گے۔

۱۔ اجرت کا متعین ہونا۔

۲۔ منفعت کا متعین ہونا۔

۳۔ مدت کا متعین ہونا۔

۴۔ اجارہ پر دی گئی چیز کا مقدور التسلیم ہونا۔

۵۔ اجارہ پر دی گئی چیز کے وجود میں جہالت کا نہ ہونا۔

۶۔ اجارہ پر دی گئی چیز کا مملوکہ ہونا۔

۷۔ اجارہ پر دی گئی چیز کا مقبوض ہونا۔

۸۔ اجارہ پر دی گئی چیز ایسی ہو کہ اس کے باقی رہتے ہوئے اس سے منافع حاصل ہوتے رہیں۔

اجرت اور منفعت کا معلوم ہونا

اجارہ کے اندر اجرت اور منفعت دونوں کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے، علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں:

"وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومين لأن جهالتهما تفضى ألى المنازعة۔"(۴۰)

ترجمہ: اور یہ ضروری ہے کہ اجرت اور منفعت دونوں معلوم ہوں کیوں کہ ان کی جہالت باہمی جھگڑے کا باعث بنتی ہے۔

علامہ ابن رشد الحفیدؒ لکھتے ہیں:

"ان جمهور فقهاء الامصار مالک و ابو حنيفة والشافعى اتفقوا بالجملة أن من شرط الاجارة ان يكون الثمن معلومًا والمنفعة معلومة القدر۔"(۴۱)

ترجمہ: جمہور فقہائے کرام مام مالکؒ، ابو حنیفہؒ اور شافعیؒ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اجارہ صحیح ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ ثمن (اجرت) اور منفعت کی مقدار معلوم ہو۔

مدت کا معلوم ہونا

اسی طرح اگر اجارہ کے اندر مدت بیان کی گئی ہو تو اس کا معلوم و متعین ہونا بھی ضروری ہے اور اگر اجارہ "مضاف الی المستقبل" ہو یعنی اس میں یہ طے کیا گیا ہو کہ عملی طور پر اجارہ کچھ عرصہ بعد شروع ہوگا تو اس صورت میں یہ ضروری ہے کہ عملی طور پر اجارہ شروع ہونے کی مدت متعین کی جائے۔(۴۲)

معمولی جہالت قابلِ برداشت ہے

ذکر کردہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ اجرت، منفعت اور مدت کا معلوم و متعین ہونا ضروری ہے، اس لیے اگر ان کے اندر جہالت پائی گئی تو عقد اجارہ جائز نہ ہوگا کیوں کہ وہ غرر کا باعث ہے، تاہم اگر جہالت معمولی ہو تو عرفاً قابلِ برداشت ہو اور باہمی نزاع کا ذریعہ نہ بنتی ہو تو لوگوں کی ضرورت کی بنا پر اسے جائز قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا ایسے غرر کی موجودگی سے عقد فاسد نہیں ہوگا۔ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:

"اجمع المسلمون على جواز اشياء فيها غرر حقير۔۔۔واجمعوا على جواز اجارة الدار والدابة والثوب ونحو ذالک شهرًا مع ان الشهر قد يكون ثلاثين يومًا وقد يكون تسعة وعشرين واجمعوا على جواز دحول الحمام بالأجرة مع اختلاف الناس فى استعمالهم الماء وفى قدر مكثهم واجمعوا على جواز الشرب من السقاء بالخصوص مع جهالة قدر المشروب واختلاف عادة الشاربين۔"(۴۳)

ترجمہ: مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ جن معاملات کے اندر غرر یسیر ہے، وہ جائز ہیں۔۔۔ (لہٰذا) ان کا اس پر اجماع ہے کہ گھر، جانور اور کپڑے وغیرہ کو ایک مہینے اجرت پر دینا جائز ہے حالانکہ مہینہ کبھی تیس کا ہوتا ہے اور کبھی انتیس دن کا ہوتا ہے۔ اس طرح اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ اجرت دے کر حمام میں غسل کرنا جائز ہے حالانکہ پانی کو استعمال کرنے اور حمام میں ٹھہرے رہنے کے بارے میں لوگوں کی عادات مختلف ہیں، اسی طرح متعین عوض کے بدلے مشکیزے سے پانی پینے کا جواز پر بھی اتفاق ہے حالانکہ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس اجرت کے بدلے دوسرا شخص کتنا پانی پیئے گا، نیز پانی میں لوگوں کی عادات مختلف ہیں (کوئی کم پیتا ہے اور کوئی زیادہ جب کہ اجرت دونوں کی یکساں ہے۔)

علامہ عبدالرحمٰن الجزیریؒ لکھتے ہیں:

"الأصل فيه عدم الجواز لكنهم اجازوه لحاجة الناس إليه كدخول الحمام۔"(۴۴)

ترجمہ: اس بارے میں اصل حکم تو عدم جواز کا ہے، لیکن لوگوں کی حاجت کی وجہ سے اسے جائز قرار دیا گیا ہے۔

غرر یسیر پر مبنی جہالت کی وجہ سے جواز عقد کی جدید صورتیں

میٹر کے حساب سے ٹیکسی یا رکشہ کا کرایہ لینا

آج کل بڑے شہروں میں عام طور پر اندرون شہر سفر کرنے کے لیے ٹیکسی اور رکشہ کرائے پر لینے کا رواج ہے۔ جس کی ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ گاڑی کے اندر ایک میٹر لگا ہوتا ہے جس پر سفر کے حساب سے کرایہ درج ہوتا ہے، جب سفر مکمل ہو جاتا ہے تو اسی سفر کے حساب سے کرایہ میٹر پر آجاتا ہے جسے کرائے پر لینے والا شخص ادا کرتا ہے۔ ایسے سفر میں ابتداً فریقین میں سے کسی کو بھی معلوم نہیں ہوتا کہ کل کرایہ کتنا بنے گا، اس لیے قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ اجارہ ناجائز ہو کیوں کہ اجرت مجہول ہے لیکن چوں کہ اجرت کی جہالت باہمی جھگڑے کا ذریعہ نہیں بنتی اس لیے کہ دونوں اس بات پر راضی ہوتے ہیں کہ میٹر جتنا کرایہ ظاہر کرے گا، اس سفر کی اتنی ہی اجرت ہو گی، لہٰذا میٹر کے حساب سے کرایہ پر ٹیکسی یا رکشہ وغیرہ لینا جائز ہے۔ (۴۵)

فی صد کے حساب سے اجرت متعین کرنا

آج کل بہت سے معاملات میں فی صد (کمیشن) کے عنوان سے اجرت متعین کرنے کا رواج عام ہے۔ مثلاً اسٹیٹ ایجنسی والے عام طور پر اپنی خدمات کا معاوضہ خریدار اور فروخت کنندہ سے ایک یا دو فی صد کمیشن لیتے ہیں۔ ایسے معاملات میں قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ یہ صورتیں جائز نہ ہوں۔ کیوں کہ ان میں عمل اور اجرت کی مقدار متعین نہیں ہوتی۔ مثلاً اسٹیٹ ایجنسی کے معاملے میں فریقین کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ فلاں مکان کی فروختگی کے لیے ایجنٹ کو کتنی بھاگ دوڑ کرنی پڑے گی اور یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کتنے میں فروخت ہو گا، لہٰذا قیمت فروخت کے حساب سے اجرت مجہول ہوتی ہے لیکن چوں کہ ان صورتوں میں پائی جانے والی جہالت نزاع کا باعث نہیں بنتی، نیز عصر حاضر میں ایسے معاملات بہت کثرت سے پائے جاتے ہیں اور لوگوں کو آئے روز اس کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے اس لیے فقہائے کرام نے اسے جائز قرار دیا ہے۔

علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں:

"في الحاوي سئل محمد بن سلمة عن اجرة السمسار فقال: أرجوا أنه لاباس به وأن كان فاسدًا في الأصل لكثرة التعامل وكثير من هذا غير جائز، فجوزه لحاجة الناس اليه كدخول الحمام۔"(۴۶)

ترجمہ: حاوی میں ہے کہ محمد بن سلمہ سے سمسار کی اجرت کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں اگرچہ اصل کے اعتبار سے یہ فاسد ہے لیکن کثرت تعامل کی وجہ سے یہ عقد جائز ہے۔ اس جیسے دیگر بہت سے معاملات قیاس کے تقاضے کے مطابق ناجائز ہیں لیکن لوگوں کی ضرورت کی بنیاد پر انہیں جائز قرار دیا گیا ہے جیسے حمام میں داخل ہونے کی اجرت۔

آجر کے منافع میں حصہ داری (Participation Fund)

فی صد میں اجرت کی ایک صورت آجر کے منافع میں حصہ داری کی ہے۔ اس صورت کا حاصل یہ ہے کہ آجر (intrepereneur) اپنے منافع میں کچھ فی صد اجیر (مزدور) کو بھی دیتا ہے مثلاً ایک شخص نے کسی کو اپنے کاروبار میں اس شرط پر ملازم رکھا کہ اتنی تنخواہ کے علاوہ حاصل ہونے والے نفع میں سے بھی پانچ فی صد دیا جائے گا اور یہ رقم بھی اجرت کا حصہ سمجھی جائے گی۔ عام طور پر تاجر حضرات اپنے کاروبار کو زیادہ ترقی دینے کے لیے یہ صورت اختیار کرتے ہیں کیوں کہ اس طرح کرنے سے ملازم کاروبار کو ترقی دینے کے لیے زیادہ سے زیادہ کوشش کرتا ہے اجیر کو اس طرح نفع میں شریک کرنے کی دو صورتیں

ہیں:

پہلی صورت

پہلی صورت یہ ہے کہ اجر انعام کے طور پر اجیر کو نفع کی کچھ مقدار دے اور پہلے سے یہ انعام ان کے درمیان طے نہ ہو۔ یہ صورت جائز ہے کیوں کہ یہ مالک کی طرف سے دیا گیا انعام ہے لہٰذا اگر آجر کسی وقت یہ انعام نہ دے تو اجیر کو مطالبہ کرنے کا حق حاصل نہیں ہوگا اور نہ ہی اجیر عدالتی چارہ جوئی کر سکے گا۔

دوسری صورت

دوسری صورت یہ ہے کہ آجر اور اجیر کے درمیان باقاعدہ یہ معاہدہ طے ہو کہ ماہ کے آخر میں تنخواہ کے علاوہ نفع میں سے کچھ حصہ مثلاً پانچ فی صد اجیر کو ادا کیا جائے گا۔ اس صورت میں تنخواہ کے علاوہ یہ رقم بھی اُجرت کا حصہ سمجھی جائے گی اور ادا نہ کرنے کی صورت میں اجیر کو عدالتی کاروائی کا حق بھی حاصل ہوگا۔

اس صورت میں اگرچہ جہالت پائی جاتی ہے لیکن چوں کہ فیصد کے حساب سے اجرت مقرر کرنا باہمی نزاع کا باعث نہیں بنتا اس لیے یہ صورت بھی جائز ہے۔

فروخت کنندہ کا یہ مطالبہ کرنا کہ صافی رقم اتنی چاہیئے

اس صورت کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص اپنی کوئی چیز فروخت کرنے کے لیے کسی کو وکیل (Agent) بناتا ہے اور اس وکیل کو کوئی متعین اجرت دینے کے بجائے یہ کہتا ہے کہ مجھے اس کی اتنی قیمت چاہیے۔ اس سے زائد میں فروخت ہو تو، وہ رقم آپ کی اجرت ہوگی۔

عام طور پر اسٹیٹ ایجنسی کے کاروبار میں یہ دیکھا گیا ہے کہ اپنی جائیداد وغیرہ فروخت کرنے والے لوگ ان سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ ہمیں اس مکان کے بدلے اتنے لاکھ روپے چاہیئں، اس سے زائد جتنے میں فروخت ہو، وہ رقم آپ کی ہوگی۔

اس کے شرعی حکم میں قدرے اختلاف ہے۔ حضرت ابنِ عباسؓ، ابنِ سیرینؒ، شعبیؒ، زہریؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور امام ابن تیمیہؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ صورت جائز ہے۔ صحیح بخاری میں ہے:

"قال ابن عباسؓ: لا بأس بان يقول: مع هذالثوب فما زاد على كذا وكذا فهو لک، وقال ابن سيرين: اذا قال بعه بكذا وكذا فما كان من ربح فهو لک او بينی وبينک فلا بأس به وقال النبی ﷺ: المسلمون عند شروطهم ۔"(۴۷)

ترجمہ: ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ کوئی شخص دوسرے سے یوں کہے کہ اس کپڑے کو فروخت کرو اور اس مقررہ قیمت سے جو زائد ہو وہ تمہاری ہوگی۔ اور ابن سیرینؒ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے دوسرے سے یہ کہا کہ یہ چیز اتنے میں بیچو اس سے زائد جو نفع ہوگا وہ تمہارا یا وہ ہمارے اور تمہارے درمیان ہوگا۔ تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ مسلمان اپنی شرائط کے پابند ہیں۔ (۴۸)

امام احمد بن حنبلؒ اور اسحاقؒ اسے "مضاربہ" کے مشابہ قرار دیتے ہوئے جائز کہتے ہیں چنانچہ منار السبیل میں ہے:

"ان قال: بع هذا بعشرة فمازاد فهو لک، صح البيع وله الزيادة، نص عليه احمد فقال: هل هذا الا كالمضاربة وهو قول اسحاق وغيره ۔"(۴۹)

لیکن جمہور فقہائے کرام جن میں آئمہ ثلاثہ (امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور مام شافعی) بھی شامل ہیں، نے اس صورت کو

ناجائز قرار دیا ہے۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

"وممن كرهه الثوری والكوفيون وقال الشافعی ومالک لا يجوز۔"(۵۰)

ترجمہ: جن فقہاء نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے، ان میں امام ثوریؒ، کوفہ کے فقہاءؒ (حنفیہؒ) شامل ہیں جب کہ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کہتے ہیں کہ یہ بیع جائز نہیں۔

حافظ ابنِ حجرؒ لکھتے ہیں:

"وهذا اجر سمسرة ايضاً لكنها مجهولة ولذالک لم يجزها الجمهور۔"(۵۱)

ترجمہ: یہ بھی دلال کو اجرت دینے کی ایک صورت ہے لیکن اس میں اجرت مجہول ہے اس لیے جمہور فقہائے کرام نے اسے ناجائز قرار دیا ہے۔

درج بالا دلائل کو سامنے رکھتے ہوئے ہماری رائے بھی یہ ہے کہ جمہور کا قول راجح ہے یعنی یہ صورت ناجائز ہونی چاہیے اور جمہور کے راجح ہونے اور اس کے ناجائز ہونے کی چند وجوہ ہیں:

۱۔ مذکورہ صورت میں صرف اُجرت مجہول ہی نہیں بلکہ غیر یقینی بھی ہے حتیٰ کہ بعض دفعہ وکیل (Agent) کو اپنی طرف سے نقصان کی تلافی بھی کرنی پڑتی ہے۔ گویا اس اجرت میں جہالت کے اعتبار سے غرر کی خرابی پائی جاتی ہے۔

۲۔ مذکورہ صورت کو مضاربہ پر قیاس کرنا بھی درست نہیں، اس لیے کہ مضاربہ میں نفع نہ ہونے یا نقصان ہونے کی صورت میں مضارب کی محنت اور رب المال کا نفع ضائع ہو جاتا ہے۔ جب کہ اس صورت میں اگر اتنی ہی قیمت میں چیز فروخت ہو تو مالک کو تو نفع مل جاتا ہے لیکن اجیر اجرت سے محروم ہو جاتا ہے اور اگر اس سے بھی کم قیمت پر فروخت ہو تو پھر اجیر قیمت کا بقیہ حصہ اپنی طرف سے ادا کرتا ہے۔ گویا مالک کو نفع ملنا تو ہر حال میں یقینی ہے جب کہ اجیر کی اجرت غیر یقینی کیفیت کا شکار ہوتی ہے جب کہ مضاربہ کی صورت میں مضارب کی طرح خود رب المال کا نفع بھی یقینی نہیں ہوتا۔ لہٰذا مذکورہ صورت کو مضاربہ پر قیاس کرنا درست نہیں کیوں کہ دونوں کے درمیان ایک واضح فرق موجود ہے۔

نتائج البحث:

زیرِ نظر تحقیق کے نتیجے میں مندرجہ ذیل اہم نکات سامنے آئے ہیں:

۱۔ عقد اجارہ کی حقیقت کے بارے میں آئمہ اربع اور جمہور کا موقف سامنے آگیا کہ ان کے نزدیک یہ ایک جائز اور مشروع عقد ہے۔ اگرچہ پہلے یہ واضح نہیں تھا۔

۲۔ اجارہ میں غرر کا پہلو موجود نہیں اور منافع کے معدوم ہونے کو بیع المعدوم پر قیاس کر کے "غرر" کا قول اختیار کرنا درست نہیں۔

۳۔ عقد اجارہ میں اجرت، منفعت اور مدت کا معلوم و متعین ہونا ضروری ہے، اس لیے اگر ان کے اندر جہالت پائی گئی تو عقد اجارہ جائز نہیں ہوگا۔ کیوں کہ جہالت غرر کا باعث ہے تاہم اگر جہالت معمولی سی ہو جو عرفاً قابلِ برداشت ہو اور باہمی جھگڑے کا باعث نہ بنتی ہو تو لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے اسے جائز قرار دیا گیا ہے۔ ایسے غرر کی موجودگی سے عقد فاسد نہیں گا۔

۴۔ اس تحقیق سے یہ بات واضح ہوئی ہے کہ اجارہ کے غرر سے پاک ہونے کے لیے ضروری ہے کہ جس چیز کو اجارہ پر دیا جائے، مؤجر اسے مستاجر کے حوالے کرنے پر قادر بھی ہو اگر موجر اسے خریدار کے حوالے کرنے پر قادر نہیں تو اسے اجارہ پر دینا بھی درست نہیں۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حوالہ جات (References)

۱۔ موسوعہ جمال عبدالناصر، المجلس (المجلس الاعلیٰ للشون الاسلامیہ) القاہرہ، الطبع الاولیٰ ۱۳۸۷ھ ج ۲ ص ۹۹۱ و ایضاً فی لسان العرب ج ۱، ص ۷۷

۲۔ مغنی المحتاج الی معرفۃ معانی الفاظ المنہاج، الشربینی (الشیخ محمد اشربینی) بیروت، داراحیاء التراث العربی، ج ۲ ص ۳۳۲

۳۔ کنزالد قائق مع سرحۃ البحرالد قائق، النسفی، (الشیخ ابوالبرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود المعروف بحافظ الدین الشعبی التوفی ۷۱۰ھ بیروت، دارالکتب العلمیہ، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۱۸ھ۔ ۱۹۹۷ء، ج ۷، ص ۵۰۲

۴۔ الشرح الصغیر، ج ۴، ص ۶

۵۔ مغنی المحتاج، ج ۲، ص ۳۳۲

۶۔ کشاف القناع عن متن الاِقناع، الجھوتی (الشیخ منصور ابن یونس بن ادریس الجھوتی التوفی ۱۰۵۱ھ، مکہ المکرمۃ، مطبعۃ الحکومۃ، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۹۴ھ، ج ۳، ص ۵۳۷

۷۔ تبین الحقائق، الزیلعی (الامام فخرالدین عثمان بن علی الزیلفی التوفی ۷۱۳ھ) بیروت، دارالکتب العلمیہ، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۲۰ھ۔ ۲۰۰۰ء، ج ۶، ص ۷۷

۸۔ حاشیۃ الدسوقی، ج ۴، ص ۲

۹۔ الانصاف، المرداوی (علاء الدین ابوالحسن علی بن سلیمان المرداوی) بیروت، داراحیاء التراث العربی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۶ھ۔ ۱۹۵۷ء، ج ۶، ص ۳، ایضاً المغنی ج ۸، ص ۷

۱۰۔ الدرالمختار، ج ۶، ص ۴۶

۱۱۔ المغنی، ج ۸، ص ۸

۱۲۔ لسان العرب، ابن منظور (العلامہ ابن منظور) بیروت، داراحیاء التراث العربی، ج ۱۰، ص ۴۱

۱۳۔ القاموس المحیط، الفیروزآبادی (محمد الدین محمد بن یعقوب الفیروزآبادی ۷۲۹ء۔ ۸۱۷ھ) بیروت، داراحیاء التراث العربی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۱۲ھ۔ ۱۹۱۹ء، ج ۲، ص ۱۴۳۳۔۔۔ وایضاً فی تاج العروسی، الزبیدی (السید مرتضیٰ الزبیدی) بیروت، مطابع دارالصادر ۱۳۸۶ھ۔ ۱۹۶۶ء، ج ۶، ص ۴۴۳

۱۴۔ اموسوعۃ الفقہیۃ الکویت، وزارۃ الاوقاف واشئون الاسلامیہ، الاکویت، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۱۴ھ۔ ۱۹۹۶ء، ج ۳۱، ص ۱۴۹

۱۵۔ مصباح اللغات، بلیاوی (عبدالاحفیظ بلیاوی) کراچی، میر محمد کتب خانہ، طبع اول ۱۹۵۰ء، ص ۵۹۴

۱۶۔ القاموس الجدید کیرانوی، (مولانا وحید الزمان کیرانی) لاہور، ادارہ اسلامیات، طبع اول ذی قعدہ ۱۴۱۰ھ۔ جون ۱۹۰ء، ص ۶۵۹

۱۷۔ الفروق، القرافی (شہاب الدین ابوالعباس اصنھا جی المشہور بالقرافی) بیروت، دارالمعرفۃ، الطبعۃ الاولیٰ ج ۳، ص ۲۶۶: اصل الغرر لغۃ قال القاضی عیاضؒ "ھو مالہ ظاھر محبوب و باطن مکروہ ولذالک سمیت الدنیا متاع الغرر"

۱۸۔ جامع الاصول فی احادیث الرسول، ابن الاثیر (محمد الدین ابوسعادات المارک بن محمد بن الاثیر الجزری ۵۵۴ھ۔ ۶۰۶ء) مکتبہ

دار البیان، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۸۹ھ-۱۹۶۹ء، ج !، ص ۵۲۷

۱۹۔ القرآن: الانفطار

۲۰۔ المنجد فی اللغۃ، معلوف (لوئس معلوف) ایران، انتشارات اسماعیلیان، الطبعۃ الحادیۃ العشرون ۱۹۷۳ء، ص ۵۴۶

۲۱۔ کتاب المبسوط، السرخسی (العلامہ شمس الدین السرخسی) بیروت، دار المعرفۃ، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۱۴ھ-۱۹۹۳ء، ج ۱۲، ص ۱۹۴

۲۲۔ فتح القدیر مع الھدایۃ والکفایۃ، ابن الھمام (کمال الدین احمد بن عبدالواحد بن عبد الحمید بن مسعود المعروف بابن الھمام المتوفی ۸۶۱ھ) کوئٹہ، مکتبہ رشیدیہ، ج ۶، ص ۱۳۶

۲۳۔ بدائع الصنائع، الکاسانی (علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی المتوفی ۵۸۷ھ) کراچی، ایچ، ایم سعید کمپنی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۳۸ھ-۱۹۱۰ء، ج ۵ ص ۱۶۳

۲۴۔ حاشیۃ الدسوقی علی شراح الکبیر، الدسوقی (شمس الدین الشیخ محمد عرفۃ الدسوقی) بیروت، دار الفکر، ج ۳، ص ۵۵

۲۵۔ الفروق، القرافی (شھاب الدین ابو العباس اصنھا بجی المشھور بالقرافی) بیروت، دار المعرفۃ، الطبعۃ الاولیٰ ج ۳، ص ۲۶۴

۲۶۔ کتاب المؤطا (الامام مالک بن انس) کراچی نور محمد کارخانہ تجارت، ص ۵۹۸

۲۷۔ القاموس المدرسی (انجلیزی، عربی) ص ۳۱۹

۲۸۔ المغنی، ج ۸، ص ۶

۲۹۔ کتاب البحر الزخار، المرتضی (احمد بن یحییٰ بن المرتضی المتوفی ۸۴۰ھ،) صنعاء، دار الحکمۃ ایمانیۃ، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۶۶ھ-۱۹۴۷ء، ج ۴، ص ۲۹

۳۰۔ المغنی ج ۸، ص ۶

۳۱۔ کتاب البحر الزخار، ج ۴، ص ۳۰

۳۲۔ بدایۃ المجتھد، ج ۲، ص ۱۸۱

۳۳۔ جامع الفصولین، ابن قاضی سماوہ (الشیخ محمود بن اسماعیل بابن قاضی سماوہ) کراتشی، اسلامی کتب خانہ مطبوعہ ۱۴۰۲ھ، ج ۲، ص ۷

۳۴۔ الفروق، القرافی (شھاب الدین ابو العباس اصنھا بجی المشھور بالقرافی) بیروت، دار المعرفۃ، الطبعۃ الاولیٰ ج ۳، ص ۲۲۹، الفرق الخامس والاربعون

۳۵۔ تنویر الابصار مع الدر المختار، ج ۶، ص ۶

۳۶۔ المغنی، ج ۸، ص ۹

۳۷۔ المنھاج مع شرحہ المغنی المحتاج، النووی (ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی) بیروت، داراحیاء التراث العربی، ج ۲، ص ۳۳۸

۳۸۔ مغنی المحتاج، الشربینی (الشیخ محمد اشربینی) بیروت، داراحیاء التراث العربی، ج ۲ ص ۳۳۸

۳۹۔ المحلی لابن حزم، ج ۸، ص ۱۸۳

۴۰۔ الدر المختار، ج ۶، ص ۵

۴۱۔ بدایۃ المجتھد، ابن رشد الحفید (ابوالولید محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن رشد الشھیر بابن رشد الحفید المتوفی ۵۹۵ھ،) مصر، مطبع محمد علی صبیح، الطبعۃ الاولیٰ، ج ۲، ص ۱۸۶

۴۲۔ المغنی، ج ۸، ص ۸ وایضاً المغنی، ج ۸، ص ۱۰

۴۳۔ المنھاج المعروف بشرح النووی (ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی) کراتشی، ادارہ القران والعلوم الاسلامیہ، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۰۸ھ-۱۹۸۷ء، ج ۱۰، ص ۱۵۶

۴۴۔ کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ، الجزیری (عبدالرحمٰن الجزیری) مصر، المکتبۃ التجاتیۃ الکبریٰ، الطبعۃ السادسۃ ۱۳۹۲ھ، ج ۳، ص ۱۲۹

۴۵۔ تکملۃ فتح الملہم، ج ۱، ص ۳۲۰

۴۶۔ ردالمختار، ج ۶، ص ۶۳

۴۷۔ الصحیح البخاری، باب اجرالسمسرۃ، ج ۲، ص ۳۰۳

۴۸۔ اس حدیث کے لیے دیکھیں: مستدرک علی الصحیحین، ج ۲، ص ۵۷، سنن ابی داؤد، باب الصع، رقم الحدیث: ۳۵۹۴

۴۹۔ منارالسبیل، ابن ضویان (ابراہیم بن محمد بن سالم بن ضویان المتوفی ۱۳۵۳ھ) ریاض) مکتبۃ المعارف، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۴۰۵ھ، ج ۱، ص ۳۶۹

۵۰۔ عمدۃ القاری، العینی (شیخ الاسلام العلامہ بدر الدین ابو محمد بن احمد العینی، المتوفی ۸۵۵ھ)، بیروت، دارالفکر، الطبعۃ مصححۃ منقحہ، ج ۱۲، ص ۹۳

۵۱۔ فتح الباری، العسقلانی (الحافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی ۷۷۳ھ۔ ۸۵۲ء) لاہور، دارالنشر الکتب الاسلامیہ، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۰۱ھ۔ ۱۹۸۱ء، ج ۴، ص ۴۵۱